تزکیۂ نفس

تزکیہ کا لغوی مفہوم، اس کا مقصد، اور اسکی وسعت

(مولانا امین احسن اصلاحی)

عربی زبان میں تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا، اس کو نشو ونما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔ تزکیہ کا عمل مختلف چیزوں پر بظاہر مختلف شکلوں میں نمایاں ہوگا۔ مادی چیزوں پر یہ عمل کسی اور شکل میں نمایاں ہوگا اور معنوی چیزوں پر کسی اور صورت میں۔ لیکن یہ فرق محض ایک ظاہری فرق ہوگا، حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لفظ کے اندر صاف ستھرا بنانے، نشو ونما دینے، اور پروان چڑھانے کی جو روح ہے وہ ہر جگہ نمایاں رہے گی۔

اس بات کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا عمل زمین کے ایک ٹکڑے پر بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک انسان کے نفس پر بھی۔ گو ان دونوں چیزوں پر اس عمل کی صورت ظاہر میں مختلف ہوگی، اس لیے کہ میدان عمل الگ الگ ہیں، لیکن حقیقت اور مقصد کے لحاظ سے دونوں عملوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔ زمین کا تزکیہ یہ ہوگا کہ اس کو پہلے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کیا جائے، اس کی ناہمواریوں کو ہموار کیا جائے، پھر اس پر ہل چلا کر اس کو نرم بنایا جائے۔ پھر کھاد اور پانی دے کر اس کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق کسی صالح بیج کو نشو ونما دے سکے اور اس سے پھل اور پھول حاصل ہو سکیں۔

اور نفس کا تزکیہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر جو غلط افکار و نظریات جڑ پکڑ گئے ہیں ان کی جڑیں اکھاڑی جائیں؛ جاہلی عادات و اخلاق نے اس کے اندر جو کجیاں اور ناہمواریاں پیدا کر رکھی ہیں ان کو درست اور ہموار کیا جائے، تقلیدوں اور رسموں کی پرستش نے اس کو بے حسی اور جمود کے جو روگ لگا رکھے ہیں ان کو دور کیا جائے، فانی لذتوں کی چاٹ نے اس پر جو دون ہمتی اور بزدلی طاری کر دی ہے اس کا علاج کیا جائے تاکہ اس کی آنکھیں

کھل سکیں، اس کا دماغ سوچ سکے، اس کی ہمت ابھر سکے، اس کی عادتیں سنور سکیں اور وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنی ذہنی، اخلاقی، اور روحانی ترقی کے اُس بلند درجہ تک پہنچ سکے جس درجہ تک پہنچنے کی اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر قابلیت رکھی ہے۔

تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم | اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ تزکیہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے۔ اُس کا لغوی مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا اور اس کو پروان چڑھانا ہے اور اس کا اصطلاحی مفہوم نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستہ پر ڈال دینا اور اس کو درجۂ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔

تزکیہ کا یہ اصطلاحی مفہوم خود قرآن مجید کی مندرجۂ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔

اور شاہد ہے نفس اور جیسا اس کو بنایا پس اس کو سمجھ دی نیکی اور بدی کی۔ کامیاب ہوا جس نے اس کا تزکیہ کیا اور ناکام ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔

اس آیت سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات ودیعت کر کے اس کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان امتیاز کر سکے اور انسان کے لیے کمال اور ترقی کا راستہ یہ ٹھیرایا ہے کہ وہ نیکی اور بدی کی اس کشمکش میں نیکی کا ساتھ دے اور اس کو بدی پر غالب کرنے کی کوشش کرے۔

صحیح شعور کے ساتھ نیکی کو غالب کرنے اور بدی کو مغلوب کرنے کا یہ جہاد قرآن مجید کی اصطلاح میں تزکیہ ہے۔

تزکیہ کے اس مقصود و مفہوم کو سامنے رکھ کے غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو علوم ہمارے نفس سے براہِ راست بحث کرنے والے ہیں اُن میں علمِ طب ایک ایسا علم ہے جو تزکیہ کے علم سے ایک حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ علمِ طب ہمارے جسم کی بیماریوں اور ان کے علاج سے بحث کرتا ہے اور علمِ تزکیہ ہماری روح کے امراض اور ان کے علاج سے بحث کرتا ہے۔ لیکن اس مشابہت کے باوجود دونوں میں

بڑا فرق ہے۔ علمِ طب کا دائرۂ بحث نہایت محدود ہے۔ وہ صرف ہمارے نفس کے ایک پہلو یعنی جسم اور اس کے امراض سے بحث کرتا ہے۔ اس کے برعکس علمِ تزکیہ ہمارے نفس کے تمام ظاہری و باطنی گوشوں سے بحث کرتا ہے۔ ہمارا نفس جن قوتوں اور قابلیتوں سے بھی مرکب ہے یہ اُن سب پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے اور ان سب کی تربیت کرتا ہے۔ ہمارے اندر جتنے احساسات و جذبات بھی پائے جاتے ہیں یہ سب کو زیرِ بحث لاتا ہے اور اُن سب کی اصلاح کرتا ہے۔ ہمارا نفس جن گوناگوں روابط و تعلقات کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے یہ اُن سب کا جائزہ لیتا ہے اور سب کو ایک خاص اصول و ضابطے کے تحت منظم کرتا ہے۔ ہمارے دل کے خیالات ہمارے ذہن کے وسوسے، ہماری طبیعت کے میلانات، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، ہمارا کھانا پینا، ہمارے مشاغل اور ہماری دلچسپیاں، ہمارے روز و شب کے معمولات، غرض ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ بحث نہ کرتا ہو۔

پھر صرف یہی نہیں کہ یہ ہمارے نفس کے ہر پہلو سے بحث کرتا ہے یا ان کی خرابیوں کو دور کر کے ان کی جگہ پر جو کچھ صحیح ہے اس کو پیش کرتا ہے بلکہ اس کا اصلی کام اس بحث و تمحیص اور اس تعلیم و تلقین سے آگے ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ہمارے نفس کی ہر پہلو سے ایسی تربیت کرتا ہے جس سے ہمارا نفس "نفسِ مطمئنہ" بن جائے۔

نفسِ مطمئنہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علم کی بنیاد ایسے مضبوط یقین پر قائم ہو جائے کہ رنج و راحت اور دکھ اور سکھ کی کوئی حالت بھی خدا کے بارے میں ہمارے اعتماد اور ہمارے حسنِ ظن کو بدل نہ سکے بلکہ ہر حالت میں ہم خدا سے راضی اور مطمئن رہیں۔ اسی طرح ہمارے عمل کی بنیاد ایک ایسی مستحکم سیرت پر قائم ہو جائے کہ تنگی و فراخی اور خوف و طمع کی کوئی آزمایش بھی ہم کو اُس مقام سے نہ ہٹا سکے جہاں اللہ کی شریعت نے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو کچھ چاہا ہے ہم اس کو پورا کر کے اس کے پسندیدہ بندے بن سکیں۔ یہی نفسِ مطمئنہ تزکیہ کا اصل مقصود ہے۔ قرآن میں اس نفسِ مطمئنہ کا بیان اِن الفاظ میں ہوا ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

اے ٹھکانے کے نفس، تو لوٹ اپنے خداوند کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ تزکیہ میں ایک آرٹ کی شان بھی پائی جاتی ہے کیونکہ تزکیہ کا

مطمح نظر صرف اسی قدر نہیں معلوم ہوتا کہ ہمارا نفس کسی نہ کسی شکل میں اللہ پر لگ جائے بلکہ تزکیہ اس سے آگے بڑھ کر نفس کو خوب سے خوب تر بنانے کی جد و جہد کرتا ہے۔ تزکیہ صرف اتنا ہی نہیں چاہتا ہے کہ ہمیں خدا اور اس کی شریعت کا کچھ علم حاصل ہو جائے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر یہ چاہتا ہے کہ ہمیں خدا اور اس کی صفات کی سچی اور پکی معرفت حاصل ہو جائے۔ تزکیہ صرف یہ پیش نظر نہیں رکھتا ہے کہ ہماری عادتیں کسی حد تک سنور جائیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہم تمام مکارم اخلاق کے پیکر مجسم بن جائیں۔ تزکیہ صرف اتنے پر قناعت نہیں کرتا کہ ہمارے جذبات میں ایک ہم آہنگی اور ربط پیدا ہو جائے بلکہ وہ اس پر مزید ہمارے جذبات کے اندر رقت و لطافت اور سوز و گداز کی گھلاوٹ بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ تزکیہ کا مطالبہ صرف اسی قدر نہیں ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہمارا نفس احکامِ شریعت کے تحت آ جائے بلکہ اس کا اصل مطالبہ یہ ہے کہ ہمارا نفس خدا اور اس کے رسول کے ہر حکم کو اس طرح بجا لائے جس طرح اس کے بجا لانے کا حق ہے۔ اس کا مطالبہ ہم سے صرف خدا کی بندگی ہی کے لیے نہیں ہوتا ہے بلکہ اس بات کے لیے بھی ہوتا ہے کہ ہم خدا کی اس طرح بندگی کریں گویا ہم اسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مختصر الفاظ میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ تزکیہ ایمان، اسلام اور احسان تینوں کے تقاضے بیک وقت ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے خدا کو اس کی تمام صفتوں کے ساتھ مانیں، پھر اس کے تمام احکام کی زندگی کے ہر گوشہ میں اطاعت کریں۔ اور یہ ماننا اور اطاعت کرنا محض رسمی اور ظاہری طریقہ پر نہ ہو بلکہ پورے شعور اور گہری للّٰہیت کے ساتھ ہو، جس میں ہمارے اعضاء و جوارح کے ساتھ ہمارا دل بھی پورا پورا شریک ہو۔

اس چیز نے تزکیہ کو ایک مستمر جد و جہد اور ایک مسلسل تگ و دو کی چیز بنا دیا ہے۔ اس میں کوئی توقف یا ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اس سفر میں کوئی موڑ یا مقام ایسا نہیں آتا ہے جہاں پہنچ کر آدمی یہ سمجھ سکے کہ بس اب یہ آخری منزل آ گئی، یہاں پہنچ کے ذرا سستا لینا چاہیے یا یہیں کمر کھول دینی چاہیے۔ یہ ایک خوب سے خوب تر کی جستجو ہے۔ اس خوب سے خوب تر کی جستجو میں لگا، کو کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہیں ملتی۔ جس رفتار سے اعمال و اخلاق اور ظاہر و باطن میں جلا پیدا ہوتا جاتا ہے اسی رفتار سے مذاق کی لطافت، حس کی ذکاوت اور آنکھوں کی بصارت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دامن کے پچھلے دھبے دھو گئے ابھی فارغ

نہیں ہوئے کہ نگہ بایک ہیں کچھ اور وچھے ڈھونڈھ کے سامنے رکھ دیتی ہے کہ اب انہیں دھوئیے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

عمل تزکیہ کی اس فطرت نے اس کو نہایت مشکل اور دشوار کام بنا دیا ہے۔ اگر ایک شخص اس کی وسعتوں کو دیکھ کر بالفرض نہ بھی گھبرائے تو بھی یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ تسلسل اس کی کمر ہمت توڑ کے رکھ دے گا لیکن اگر یہ عمل فطری طریقہ پر اس تدریج و ترتیب کے ساتھ کیا جائے جو اس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں بتایا گیا ہے تو اس وسعت اور اس لاانتہائیت کے باوجود ایک طالب حق کے لیے اس سے زیادہ لذیذ اور پرکشش کام کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس کی وسعتوں کو دیکھ کر دل پر ہراس ضرور طاری ہوتا ہے لیکن اس راہ میں ہر قدم پر غیب سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ رہنمائی اس قدر تسلی بخش ہوتی ہے کہ ہمت برابر بندھی رہتی ہے اور دل بے حوصلہ نہیں ہونے پاتا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو ہماری طلب میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں مزید کھولتے ہیں۔

اسی طرح اس راہ کے تسلسل سفر سے جو تکان لاحق ہوتی ہے اس کا ازالہ ان نئے نئے حقائق و لطائف کے انکشاف سے ہوتا رہتا ہے جو برابر تازہ زندگی بخشتے رہتے ہیں۔ ع

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

جدوجہد کے تسلسل کے ساتھ اگر تازہ بتازہ فتوحات برابر حاصل ہوتی رہیں اور ہر نئی کامیابی پچھلی تمام کامیابیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو تو محنت کی یکسانی اور اس کے تسلسل کے باوجود طبیعت کند نہیں ہونے پاتی بلکہ ہر نیا مرحلہ نئے ذوق و شوق کے ساتھ شروع کرنے کا حوصلہ برابر از خود پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اوپر کی تفصیل سے اگرچہ عمل تزکیہ کی فطرت اور اس کی وسعتوں اور مشکلوں کا اندازہ ایک حد تک کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے سارے پہلوؤں کو نگاہ کے سامنے لانے کے لیے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ تزکیہ کے اصل موضوع کو سامنے رکھ کر اس کے سارے اطراف کو احاطہ میں لینے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ جتنے

پہلو اس موضوع کے ہونگے لازماً وہ تزکیہ کے بھی ہونگے۔ لباس ہمیشہ قامت کو سامنے رکھ کر تراشا جاتا ہے اس وجہ سے اگر قامت کا اندازہ ہو جائے تو لباس کے طول و عرض کا اندازہ آپ سے آپ ہو جائے گا۔

تزکیہ کا موضوع ظاہر ہے کہ نفس انسانی ہے۔ لیکن خود نفس کیا ہے؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے۔ اس سوال کو اسلام اور جاہلیت دونوں میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ایتھنز کے معبد کے دروازہ پر سقراط کا یہ مقولہ کندہ تھا کہ "اے انسان تو اپنے آپ کو پہچان"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی حکمت میں معرفت نفس کو حصولِ تزکیہ کی راہ میں بنیادی چیز خیال کیا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں بھی یہ مقولہ مشہور ہے کہ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ عَرَفَ رَبَّهٗ" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا)۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ خود نفس کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے کہ یہ کن صفات اور تقاضوں سے مرکب ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا تزکیہ کن کن باتوں کا مقتضی ہو گا؟

نفس کے تجزیہ سے ہمارا مطلب یہاں اس طرح کا تجزیہ نہیں ہے جس طرح کا تجزیہ فلسفی لوگ کسی چیز کی ماہیت و حقیقت معلوم کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک نہ تو نفس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو سکتی اور نہ ہمارے مقصد کے لیے اس کی ماہیت و حقیقت کا معلوم ہونا کچھ ضروری ہے۔ ہم صرف نفس کے صفات اور اس کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس کے صرف اُن عقلی و اخلاقی پہلوؤں کو سامنے لائیں گے جو علم تزکیہ میں زیر بحث آتے ہیں یا آنے چاہئیں۔

اب آئیے غور کیجیے کہ ہمارے نفس کے (جس کو ہم عربی میں "انا" اور اردو میں "میں" سے تعبیر کرتے ہیں)، کیا کیا پہلو ہیں جن پر تزکیہ کا عمل واقع ہو سکتا ہے اور جن کے تزکیہ کے بغیر اس کا اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھنا ناممکن ہے۔

ہم اپنے نفس پر جب غور کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے جو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں اور جو بدیہی طور پر عمل تزکیہ کے تحت آتے ہیں وہ دو ہیں۔

ایک یہ کہ ہمارا نفس ادراک کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ ہمارا نفس عمل کرتا ہے۔

ادراک ہمارے نفس کا اصلی جوہر ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان اینٹ پتھر سے زیادہ وقعت دیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ پھر یہ ادراک صرف جزئیات ہی کا ادراک نہیں ہے بلکہ کلیات کا ادراک بھی ہے اور ہمارے نفس کی یہی صفت ہے جو درحقیقت اس کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے ورنہ وہ ایک جانور سے زیادہ اہمیت دیے جانے کا مستحق نہ قرار پاتا۔ یہ کلیات کا ادراک اس کے لیے تعقل و تفکر کی وسیع راہیں کھولتا ہے اور اسی سے اس کے تمام علوم و افکار وجود میں آتے ہیں۔ اسی کی مدد سے وہ ظاہر سے باطن اور مجازات سے حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اسی کی رہنمائی میں وہ مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اسی کی روشنی میں وہ مصنوع کو دیکھ کر صانع کی صفتوں اور اس کی پسند اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لیے زندگی کی صحیح روش کیا ہے اور اس پر بحیثیت ایک انسان کے کیا فرائض اور کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور ان ذمہ داریوں کو اسے کس احساس مسئولیت اور کس مستعدی و سرگرمی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے؟

اندازہ کیجیے کہ ہمارے نفس کا یہ پہلو کس قدر اہم ہے؟ بدیہی طور پر نظر آتا ہے کہ نفس کے دوسرے تمام پہلو اسی کے تابع ہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر کسی ادنیٰ خرابی کا پیدا ہونا بھی نفس کے سارے پہلوؤں کے درہم برہم ہو جانے کے ہم معنی ہے۔ اگر فکر کا ایک قدم بھی غلط اٹھ جائے تو سارا فلسفہ ہی غلط ہو کے رہ جائے اور نتائج نکالنے میں کوئی معمولی فروگذاشت بھی ہو جائے تو علم کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہے اور پھر اس خرابی کے نتیجے کے طور پر زندگی کے ہر گوشے میں فساد پھیل جائے۔

علم و ادراک کی اِس اہمیت کے سبب سے تزکیہ میں علم کے تزکیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مقدم شے یہ ہے کہ پہلے اُن بنیادی سوالات کو طے کر دیا جائے جو فکر و نظر کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم کیا ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جائیں گے؟ ہم خالق ہیں یا مخلوق؟ مختار ہیں یا مجبور؟ غیر مسئول ہیں یا کسی کے آگے جواب دہ؟ اگر کسی کے آگے جواب دہ ہیں تو اس کی صفات کیا ہیں؟ ہماری زندگی کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ وہ کیا پسند کرتا ہے، کیا ناپسند کرتا ہے؟ اگر کسی روش کو وہ ناپسند کرتا ہے

تو اس کے اختیار کرنے والے کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ ان سارے سوالوں کا نہایت قطعی اور حتمی جواب نفس کو علمی کجرویوں اور گمراہیوں سے بچانے کے لیے ناگزیر ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان سوالوں کے جو صحیح اور قطعی جوابات مہیا کیے جائیں ان پر تقلید و جمود اور غفلت و نسیان کا گرد و غبار نہ جمنے دیا جائے اور اگر خدانخواستہ کسی گوشہ میں زنگ لگتا ہوا نظر آئے تو اس کو مانجھ کر برابر صاف کیا جاتا رہے۔

اسی طرح دوسرے پہلو یعنی عمل کو لیجیے۔ یہ پہلو بھی علم ہی کی طرح وسیع ہے۔ انسان کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گذرتا ہے جس میں وہ کوئی نہ کوئی عمل نہ کرتا ہو اور اس کا یہ عمل اس کے نفس پر کوئی برا یا بھلا چھاپ نہ چھوڑتا ہو۔

ان اعمال کے متعلق صرف جائز اور ناجائز ہی کا سوال نہیں پیدا ہوتا بلکہ جائز و ناجائز سے زیادہ اہمیت رکھنے والا سوال ان کے محرکات کا ہے۔ انسان کے اعمال کی محرک کوئی ایک ہی شے نہیں ہوتی ہے بلکہ بے شمار محرکات ہیں جو اس کو عمل کے لیے اکساتے ہیں اور ان میں سے ہر محرک کا عمل کے مزاج پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ ایک ہی عمل ایک محرک کے تحت نیکی کا عمل بنتا ہے اور وہی عمل دوسرے محرک کے تحت بدی کا عمل بن جاتا ہے۔

پھر ہمارے اندر جتنے بھی محرکات ہیں ان کے متعلق یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کن پر اعتماد کیا جائے اور کن پر اعتماد نہ کیا جائے۔

کبھی ہم کوئی عمل ضرورت کی تحریک سے کرتے ہیں مثلاً بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتے ہیں، پیاس لگتی ہے تو پانی پیتے ہیں، تکان محسوس ہوتی ہے تو آرام کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم بہت سے عمل خواہشوں کی تحریک سے کرتے ہیں۔ مثلاً شہرت و ناموری کے حصول کے لیے بہادری کے کام کرتے ہیں، ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے رفاہِ عام کے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس ہمارے بہت سے کام جذبات کے تحت ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کسی سے محبت یا کسی سے نفرت کرتے ہیں، کسی پر حسد یا کسی پر مہربانی کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم گہرے تجزیۂ نفس سے یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بہت سے اعمال ایسے بھی ہیں

جن کا محرک، مذکورہ تمام محرکات سے بالاتر ہوتا ہے اس کے تحت ہمارے ایثار و بے غرضی کے وہ سارے کام آتے ہیں جن کے اندر اپنے باریک ترین تجزیہ سے بھی ہم کسی نفسانی شائبہ کا سراغ نہیں پاتے ہیں۔ اس محرک کو ہم روح ملکوتی یا نفس ناطقہ کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

یہ محرکات ہمارے اندر کبھی الگ الگ کام کرتے ہیں اور کبھی ملے جلے ہوئے ہوتے ہیں نیز یہ اپنے فعل میں افراط و تفریط کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اس وجہ سے ہر عمل میں ان کا تجزیہ کرنا اور ان پر ان کا محاسبہ کرنا اور ان کو ان کے فطری و شرعی حدود کا پابند بنانا ایک بڑا طویل سلسلہ ہے جس کو ایک خاص نظم کے تحت منظم کرنا تزکیہ کا کام ہے۔

علم و عمل اور جذبات و محرکات کے بعد ہمارے نفس کا دوسرا پہلو اس کے تعلقات و معاملات کا ہمارے سامنے آتا ہے اور یہ بھی اپنی وسعت میں کسی طرح مذکورہ پہلوؤں سے کم نہیں بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی ہے۔

نفس کے تعلقات میں سب سے پہلے جو تعلقات زیر بحث آتے ہیں وہ نفس کا تعلق خدا کے ساتھ اور خود اپنے ساتھ ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو خالق نہیں بلکہ مخلوق تسلیم کرتے ہیں تو یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ خالق کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے اور وہ بالکل صحیح بنیادوں پر کس طرح قائم ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد دوسرے درجہ میں خود اپنے نفس کا معاملہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم جس چیز کو "انا" یا "میں" سے تعبیر کرتے ہیں وہ بدیہی طور پر بہت سی چیزوں کا مالک یا امین ہے۔ اس کے قبضہ میں ایک جسم ہے، دل و دماغ ہیں، خواہشیں اور حاجتیں ہیں، احساسات اور جذبات ہیں۔ آخر وہ ان ساری چیزوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرے؟ کیا وہ ان ساری چیزوں کا مالک ہے اور اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے یا وہ ان چیزوں کا امین ہے اور ان کو صرف ان حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتا ہے جو امانت رکھنے والے کی طرف سے ان کے استعمال کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں؟ اگر دوسری شکل ہے تو

لہ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ انسان کے اندر کوئی ایسا بالاتر محرک موجود بھی ہے یا نہیں جس کو روح ملکوتی یا نفس ناطقہ سے تعبیر کیا جا سکے ہم اس مسئلہ پر آگے گفتگو کریں گے یہاں اس پر بحث کے لیے موزوں جگہ نہیں ہے۔

پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ وہ حدود کیا ہیں جن کی نگہداشت اس سلسلہ میں لازمی ہے۔ اور پھر انہی کے ساتھ ان ظاہری اور باطنی صفات کا جاننا بھی ناگزیر ہوگا جو اس نگہداشت کے فرض سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے۔

خدا اور اپنی ذات کے بعد نفس کا تعلق اپنے ماحول سے جڑتا ہے۔ انسان کے متعلق یہ حقیقت محتاجِ بحث نہیں ہے کہ وہ ایک اجتماعی وجود ہے۔ وہ جب بھی پایا جاتا ہے کسی خاندان کے فرد، کسی معاشرہ کے رکن، کسی ریاست کے شہری کی حیثیت سے پایا جاتا ہے۔ ایک بیل جس طرح اپنے پھیلنے، پروان چڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے لازماً کچھ سہاروں کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح انسان اپنے نشو نما اور اپنی ترقی اور کمال کے حصول کے لیے ان سہاروں کا محتاج ہے۔ ان سہاروں سے الگ ہو کر اول تو اس کا وجود پایا ہی نہیں جاتا اور اگر پایا جاتا بھی ہے تو اس طرح کہ اس کی ساری صلاحیتیں بالکل ٹھٹھر جاتی ہیں۔ اس وجہ سے تزکیہ ہمارے نفس کے سارے تعلقات کا جائزہ لے کر ان کو صحیح بنیادوں پر استوار کرتا ہے تاکہ وہ اس معراجِ کمال تک پہنچ سکے جہاں تک وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے پہنچ سکتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تزکیہ کوئی مفرد اور بسیط عمل نہیں ہے بلکہ اس کے اطراف دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے نفس کا ہر گوشہ اور ہماری زندگی کا ہر پہلو خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی و سیاسی، اس کے تحت آتا ہے۔ ہمارے نفس کے تزکیہ کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ اس کے کسی ایک گوشہ میں اجالا ہو گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر گوشہ میں روشنی پھیل گئی۔ ہمارا علم بھی جگمگا اٹھا، ہمارا عمل بھی پاکیزہ ہو گیا ہمارے تعلقات و معاملات بھی درست ہو گئے۔

اب ہم تزکیہ کی ان تینوں قسموں — تزکیۂ علم، تزکیۂ عمل اور تزکیۂ تعلقات — پر الگ الگ باب میں تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔